حقیقتِ تصوّف

پروفیسر طیّب شاہین لودھی صاحب

(۴)

صوفیہ کا نظریۂ فنا و بقا

بہت سے علماء اور بعض مستشرقین (خصوصاً نکلسن) کا خیال ہے کہ صوفیہ کا نظریۂ فنا ہندی الاصل ہے، جسے سب سے پہلے ابو یزید بسطامیؒ نے پیش کیا تھا، اور انہوں نے ابو علی سندھیؒ سے لیا تھا۔[1] اکثر صوفیہ فنا کو منزلِ مقصود قرار دیتے ہیں۔ بعض صوفیہ اُسے سلوک کی انتہا اور منزلِ مقصود تو نہیں سمجھتے البتہ اُن کے نزدیک فنا لازمۂ طریق ضرور ہے۔ کچھ اصحاب کا خیال ہے کہ فنا نہ تو مطلوبِ سلوک ہے اور نہ ہر سالک کے لیے لازم ہے، بلکہ یہ تو راہ سلوک کے عوارض میں شمار ہوتی ہے۔

فنا کا مادّہ "فنی" ہے، فَنِیَ یَفْنیٰ اور فَنیٰ یَفْنِی فَنَاءً کا معنیٰ ہے معدوم ہونا، اور کبھی کبھی اس کو اضمحلال کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے قوٰی مضمحل ہو جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے صَارَ شَیْخًا فَانِیًا۔ فقہا کہا کرتے ہیں لَا یُقْتَلُ فِی الْمَعْرَکَۃِ شَیْخٌ فَانٍ یعنی جنگ میں بوڑھے ضعیف کو نہ قتل کیا جائے۔

لفظ "فنا" کو اصحابِ تصوّف نے جن معنوں میں استعمال کیا ہے قرآن و سنّت میں ان معنوں میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ صحابہ کرام، تابعین اور متقدمینِ اصحابِ زہد کا کلام بھی

---

[1] صوفیائے اسلام (انگریزی) ص ۱۷

ان معنوں میں اس لفظ سے یکسر نا آشنا ہے۔ اصحابِ تصوف قرآنِ کریم کی آیت "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ"[1] سے اپنے نظریۂ فنا پر استدلال کرتے ہیں۔ لیکن یہاں فنا کا معنیٰ وہ نہیں جو اصحابِ تصوف مراد لیتے ہیں۔ یہاں فنا سے مراد ہلاکت اور کلیتہً معدوم ہونا ہے۔ اسی مفہوم پر قرآنِ مجید کی بعض دوسری آیات بھی دلالت کرتی ہیں۔ ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے کہ روئے زمین پر ہر چیز ہلاک اور معدوم ہو جائے گی اور بقا صرف ذوالجلال کو ہے۔

صوفیہ کے نزدیک فنا سے مراد یہ ہے کہ بندے کے شہود سے ہر حادث چیز معدوم ہو کر اُفقِ عدم میں اس طرح غائب ہو جائے جس طرح وہ ایجاد سے پہلے تھی۔ اور صرف حق تعالیٰ باقی رہ جائے جیسا کہ وہ ہمیشہ سے ہے۔

سیّد الطائفہ جُنَید بغدادیؒ کا نظریۂ فنا

سیّد الطائفہ جنید بغدادی اور دیگر اہلِ استقامت اربابِ تصوّف کا نظریۂ فنا درحقیقت ارادۂ ماسوا سے فنا ہے یعنی بندے کی اپنی مراد اپنے حظوظ اور اپنے ارادے سے فنا ہو جائیں صرف مرادِ حق باقی رہ جائے۔ جنیدؒ بغدادی کے نزدیک توحید کے چار مدارج ہیں۔ توحیدِ عوام، توحیدِ علماء، توحیدِ خواص اور توحیدِ خاص الخاص۔ جنیدؒ کے نزدیک توحید کے اعلیٰ ترین درجے کا حصول فنا کے حصول کے بغیر ممکن نہیں۔

جُنَید نے فنا کو بھی تین مدارج میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا درجہ فنائے صفات ہے، یعنی بندہ اپنی صفاتِ مذمومہ کو فنا کر دے تاکہ وہ نفس کی خواہشات کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا پر عمل کر سکے۔

دوسرا درجہ فنائے لذّاتِ حسّی ہے، یعنی بندہ تمام جسمانی لذّات کی خواہشات کو فنا کر دے تاکہ غیر اللہ سے تعلّق بالکل ختم ہو جائے۔

تیسرا درجہ فناء الفنا ہے، یعنی پھر بندے سے فنا کا شہود بھی معدوم ہو جائے۔

جُنَید بغدادیؒ کا نظریہ درحقیقت ارادۂ ماسوا سے فنا ہے۔ ان کے مندرجہ ذیل ملفوظات

---

[1] قرآن مجید۔ سورۂ الرحمٰن آیت ۲۶، ۲۷۔

سے اس بات کی واضح تائید ہوتی ہے۔ جنیدؒ فرماتے ہیں:-

"تو اُس وقت تک اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا جب تک تجھ میں غیر اللہ کی باقیات میں سے ایک بھی موجود ہے۔"[1]

جنیدؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔ مقامِ فنا سالک کی منزل مقصود نہیں ہے، بلکہ اُس کی اصل منزل مقامِ بقا ہے۔

فنا کی اقسام صوفیہ کے ہاں فنا کے تین نظریے پائے جاتے ہیں:-

اوّل - ارادہ ماسوا سے فنا۔

دوم - شہود ماسوا سے فنا۔

سوم - وجود ماسوا سے فنا۔

ارادۂ ماسوا سے فنا یہ اہل حق اور اہل استقامت اصحابِ فنا کا نظریہ ہے۔ اہلِ استقامت فنا سے دو اُمور مراد لیتے ہیں۔

اوّل:- شہودِ ربوبیت و قیومیت میں فنا یعنی سالک اس امر کا مشاہدہ کرتا ہے کہ تمام کائنات کی تدبیر اور اس کا قیام، تخلیق و رزق رسانی، عطا کرنے اور محروم کرنے اور نفع و نقصان دینے میں رب تعالیٰ کی ذات واحد اور منفرد ہے۔ سالک اس حقیقت کے شہود میں مستغرق ہوتا ہے کہ تمام وجودِ کائنات میں انفعالیت ہے اور تمام کائنات احکامِ ربوبیت کے جاری ہونے کا محل ہے۔ سالک اپنے یا کسی اور کے نفع و نقصان پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اس مشہد کے متحقق ہونے کے بعد وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر نظر رکھتا ہے اور وہ ربوبیت و قیومیت کے شہود میں فنا ہو کر ہر ماسوا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ واجبات و نوافل کو قائم رکھتا ہے۔

دوم:- شہودِ الوہیت میں فنا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ سالک ہر ماسوا کے ارادہ، اس کی محبّت، اس کی طرف انابت، ماسوا پر توکّل، اس سے خوف اور اس پر امیدوں کو ختم کر کے صرف اسی سے خوف اور اُسی پر اُمید میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس فنا کی حقیقت یہ ہے کہ سالک محبت،

---

[1] حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۲۷۵

خوف و رجاء اور تعظیم و اجلال میں اللہ تعالیٰ کی فردانیت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی حالت بقول ابو یزید بسطامیؒ یہ ہو جاتی ہے۔

"اُرِیْدُ اَلَّا اُرِیْدَ اِلَّا مَا یُرِیْدُ" (میں چاہتا ہوں کہ میں صرف وہی چاہوں جو وہ چاہتا ہے)[۱]

اور انہی معنوں میں حضرت جنید بغدادی کی ایک مشہور دعا منقول ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی فردانیت کے شہود اور ارادۂ ماسوا سے فنا کی توضیح ہوتی ہے۔ دعا کے کچھ الفاظ یہ ہیں:-

"اے اللہ! میرے قلب سے تیرے ذکر کے سوا ہر ذکر کو، تیری محبت کے سوا ہر محبت کو، تیری مودّت کے سوا ہر مودّت، تیرے اجلال کے سوا ہر اجلال کو، تیری تعظیم کے سوا ہر تعظیم کو، تیری ذات پر امید کے سوا ہر امید کو، تجھ سے خوف کے سوا ہر خوف کو، تیری طرف رغبت کے سوا ہر رغبت کو، تیرے ڈر کے سوا ہر ڈر کو اور تجھ سے سوال کے سوا ہر سوال کو محو کر دے"[۲]

یہ فنا کا وہ مرتبہ ہے جو سالک کو توحید کے بلند ترین مدارج پر فائز کرتا ہے۔ یہاں بندۂ مومن کی مراد اللہ تعالیٰ کی مراد میں گم ہو جاتی ہے اور بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک آلے کی مانند ہو جاتا ہے اور وہ اقبالؒ کے قول سے

"ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ"

کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف مشہور حدیث "لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ ...... الخ" اشارہ کرتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بندۂ مومن اپنے رب کی محبت اور اس کے قرب کی حلاوت محسوس کرتا ہے اور اس کے قلب سے غیر اللہ کا نشان ...... مٹ جاتا ہے۔ یہ قرب اور ایقان کی حالت ہے اور یہ علم الیقین کی حالت ہے۔

---

[۱] العبودیۃ ص ۸۴

[۲] حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۲۸۶

کمالِ عبودیت یہ ہے کہ بندے کی مراد وہی ہو جو اللہ کی مراد ہو۔ بندہ صرف اسی چیز سے محبت کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور جب بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے تو ماسوا سے اس کا دل بالکل پاک ہو۔ آیت قرآنی اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ بقول ابن تیمیہؒ اس سے مراد وہ قلب ہے جو ہر ماسوا سے سلامت، یا غیر اللہ کی عبودیت سے سلامت یا ارادۂ ماسوا سے سلامت یا محبت ماسوا سے سلامت ہو، یہ تمام تعبیریں صحیح ہیں۔ اس مفہوم کو بقول ابن تیمیہؒ فنا کا نام دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ یہ اوّل تا آخر اور ظاہر و باطن اسلام ہے[1] یہ انبیاء و رسل اور اولیائے کاملین کا مقام ہے۔ یہی مقامِ احسان اور مقامِ ایقان ہے۔ اور بقول عزالدین ابن عبدالسلام مقامِ احسان اور مقامِ ایقان کے تحقق کو اہلِ صفا نے فنا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے[2]۔

جنید بغدادی کے نظریہ فنا و بقا کے مطابق سالک اس درجہ پر پہنچ کر مقامِ بقا پہ فائز ہو جاتا ہے۔ اور بقول ابنِ قیمؒ[3] جو اللہ تعالیٰ کی محبت، اُس کی اطاعت اور اس کی مراد میں فنا ہو جاتا ہے، اُسے یہ فنا مقامِ بقا پہ پہنچا دیتی ہے۔ جنید بغدادی کے نزدیک مقامِ بقا فنا فی اللہ کا ثمرہ ہے۔ اور بقا باللہ کا تقاضا یہ ہے کہ سالک وادیٔ فنا سے نکل کر حقیقتِ شریعہ کی وادی میں داخل ہو۔ اور سید الطائفہ جنابِ جنید ہمیشہ اسی وادی کی طرف بلاتے رہے ہیں۔ بندہ جب ارادۂ ماسوا سے فنا ہو جاتا ہے تو اس کے دل میں کوئی ایسی مراد باقی نہیں رہ جاتی، جو مراد قرآنی اور نبوی سے متصادم ہو، اور رب کی مراد بندے کی مراد بن جاتی ہے، بندے کے تمام اقوال و افعال عین حق کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ فنا کی گھاٹی سے حقیقتِ شرعیہ کی وادی میں داخل ہونے کو نظریہ "صحو" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نظریۂ صحوِ جنید کے تصوف کی بنیاد ہے۔

---

[1] العبودیۃ ص ۸۵

[2] قواعد الاحکام فی صالح الانام

[3] مدارج السالکین ۳ : ۳۶۹

شہودِ ماسوا سے فنا بسا اوقات سالک کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی محبّت، اُس کا ذکر، اور اس کی عبودیت اس قدر غالب آجاتے ہیں کہ اُسے اپنے معبود کے سوا کسی چیز کا شہود نہیں رہتا۔ اُس کے قلب سے غیر اللہ کے خیال کا گذر تک نہیں ہوتا، اس کا قلب اپنے محبوب اور اپنے مطلوب میں مشغول ہو کر ہر چیز سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اُسے اپنے محبوب کے سوا کسی چیز کا شعور نہیں رہتا، حتٰی کہ وہ موجود کی وجہ سے اپنے وجود سے بھی غائب ہو جاتا ہے۔ اپنے شہود میں مشغول ہو کر اُسے اپنے شہود تک کی خبر نہیں رہتی۔ اپنے مذکور کی وجہ سے اپنے ذکر سے فنا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے معروف میں محو ہونے سے وجہ سے اپنی معرفت سے غائب ہو جاتا ہے اور اس کے شہود میں وہی باقی رہتا ہے جو ہمیشہ سے ہے۔ بہت سے اصحابِ تصوّف اس حالت کو حالِ اصطلام، فنا اور جمع کا نام دیتے ہیں[1]۔ لیکن ماسوا کا وجود معدوم نہیں ہوتا۔ ماسوا کا وجود باقی رہتا ہے، لیکن وہ سالک کے شہود سے غائب ہو جاتا ہے۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ستارے نظر نہیں آتے ہیں اور وہ شہود سے غائب ہو جاتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ موجود ہوتے ہیں، معدوم نہیں ہوتے۔ اس نظریے کو صوفیہ نے وحدتِ شہود کا نام دیا ہے۔ شیخ احمد مجدّد الف ثانیؒ وحدتِ شہود کے قائل تھے۔ مجدّد صاحب توحید شہودی کو راہِ سلوک کے ضروری اُمور میں شمار کرتے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک وحدتِ شہود کے بغیر فنا متحقق نہیں ہوتی اور عین الیقین کی دولت ہاتھ نہیں آتی۔

وجودِ ماسوا سے فنا بعض متصوفہ کا نظریہ یہ ہے کہ فنا درحقیقت وجودِ ماسوا سے فنا ہے۔ یعنی وحدتِ مطلقہ میں فنا ہونا اور ہر اعتبار سے تعدّد اور کثرت کی نفی کرنا اسی کو توحیدِ وجودی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا توحید وجودی کا نظریہ رکھنے والوں کے نزدیک فنا لَا مَوْجُوْدَ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ اِلَّا اللہ کا شہود ہے۔ ان کے نزدیک ماسوا کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔ نہ شہود میں، نہ عیاں میں، اس مقام پر وہ اس شہود کا دعوٰی کرتے ہیں کہ ممکن الوجود خود واجب الوجود ہے۔ یعنی تمام موجودات کا وجود عینِ وجود حق ہے۔ ان کے نزدیک فنا درحقیقت اس امر کا

(باقی بر صفحہ ۴۵)

[1] مجموع الفتاوٰی لابن تیمیہؒ ۲: ۲۷۰

(بقیہ حقیقتِ تصوّف)

شہود ہے کہ تمام موجودات وجودِ حق میں فنا ہیں۔ کُھلے الفاظ میں اُن کے نزدیک خالق اور مخلوق ایک ہی وجود ہے۔ وہی فی نفسہٖ واجب ہے اور وہی ممکن ہے۔ متاخرین نے اس نظریے کو "ہمہ اوست" کے تین الفاظ میں سمو دیا ہے۔ (باقی)